بحث ونظر: پروفیسر عبدالعظیم جانباز، سیالکوٹ

واقعہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ اور جدید سائنسی تحقیقات

موجودہ صدی میں یوں تو بہت سے سائنسی نظریات پیش ہوئے، مگر ان میں سب سے زیادہ معروف نظریہ آئن اسٹائن نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) کہلاتا ہے۔ اس نظریے کی آمد نے کائنات اور قوانین کائنات کے بارے میں ہمارے اندازِ نظر کو ایک نیا زاویہ بہم پہنچایا اور ہمارے ذہن کو وسعت دی۔

واقعہ معراج اور آئن سٹائن

جب کبھی واقعہ معراج کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہمارے یہاں سائنسی حلقوں سے لے کر علمائے کرام تک اِسی نظریے کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا معراج پر جانا اور ایک طویل مدّت گزار کر واپس آنا، مگر آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں زمین پر وقت کا نہ گزرنا نظریہ اضافیت سے کما حقہ تعارف حاصل کرلیا جائے تا کہ طبعیات سے تعلق رکھنے والوں کے ذہن میں نظریہ اضافیت کے نکات تازہ ہو جائیں اور ایک عام قاری کے لیے نظریہ اضافیت کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

واقعہ معراج اور سائنسی توجیہ

کہا جاتا ہے کہ موجودہ سائنس انسانی شعور کے ارتقاء کا عروج ہے لیکن سائنس دان اور دانشور یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ انسان قدرت کی ودیعت کردہ صلاحیتوں کا ابھی تک صرف پانچ فیصد حصہ استعمال کر سکا ہے، قدرت کی عطا کردہ بقیہ پچانوے فیصد صلاحیتیں انسان سے پوشیدہ ہیں۔ وہ علم جو سو فیصد صلاحیتوں کا احاطہ کرتا ہو، اُسے پانچ فیصدی محدود ذہن سے سمجھنا ناممکن امر ہے۔ واقعہ معراج ایک ایسی ہی مسلمہ حقیقت ہے اور علم ہے جو سائنسی توجیہ کا محتاج نہیں ہے۔ نظریہ دو حصوں پر مبنی ہے، ایک حصہ ''نظریہ اضافیت خصوصی'' (Special Theory of Relativity) کہلاتا ہے، جب کہ دوسرے حصہ ''نظریہ اضافیت عمومی'' (General Theory of Relativity) کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ خصوصی نظریہ اضافیت کو سمجھنے

کے لیے ہم ایک مثال کا سہارا لیں گے۔

نظریہ اضافیت کی مثال

فرض کیجیے کہ ایک ایسا راکٹ بنا لیا گیا ہے جو روشنی کی رفتار (یعنی تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ) سے ذرا کم رفتار پر سفر کر سکتا ہے، اس راکٹ پر خلا بازوں کی ایک ٹیم روانہ کی جاتی ہے، راکٹ کی رفتار اتنی زیادہ ہے کہ زمین پر موجود تمام لوگ اس کے مقابلے میں بے حس وحرکت نظر آتے ہیں۔ راکٹ کا عملہ مسلسل ایک سال تک اسی رفتار سے خلا میں سفر کرنے کے بعد زمین کی طرف پلٹتا ہے اور اسی تیزی سے واپسی کا سفر بھی کرتا ہے مگر جب وہ زمین پر پہنچتے ہیں تو انھیں علم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی غیر موجودگی میں ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے، اپنے جن دوستوں کو وہ لانچنگ پیڈ پر خدا حافظ کہہ کر گئے تھے، انھیں مرے ہوئے بھی پچاس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے اور جن بچوں کو وہ غاؤں غاؤں کرتا ہوا چھوڑ گئے تھے وہ سن رسیدہ بوڑھوں کی حیثیت سے ان کا استقبال کر رہے ہیں۔ وہ شدید طور پر حیران ہوتے ہیں کہ انھوں نے تو سفر میں دو سال گزارے، لیکن زمین پر اتنے برس کس طرح گزر گئے۔

اضافیت میں اسے ”جڑواں تناقضہ (Twins Paradox) کہا جاتا ہے اور اس تناقضے کا جواب خصوصی نظریہ اضافیت ”وقت میں تاخیر“ (Time dilation) کے ذریعے فراہم کرتا ہے، جب کسی چیز کی رفتار بے انتہا بڑھ جائے اور روشنی کی رفتار کے قریب پہنچنے لگے تو وقت ساکن لوگوں کے مقابلے میں سست پڑنا شروع ہو جاتا ہے، یعنی یہ ممکن ہے کہ جب ہماری مثال کے خلائی مسافروں کے لیے ایک سیکنڈ گزرا ہو تو زمینی باشندوں پر اسی دوران میں کئی گھنٹے گزر گئے ہوں۔

نظریہ اضافیت پر تنقید

اسی مثال کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ وقت صرف متحرک شے کے لیے آہستہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی ساکن فرد مذکورہ راکٹ میں سوار اپنے کسی دوست کا منتظر ہے تو اس کے لیے انتظار کے لمحے طویل ہوتے چلے جائیں گے، یہی وہ مقام ہے جہاں آ کر ہم نظریہ اضافیت کے ذریعے واقعہ معراج کی توجیہ میں غلطی کر جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کے نظریے کے مطابق یہ ایک حقیقت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ معراج کے سفر سے واپس آئے تو حجرہ مبارک کے دروازے پر لٹکی ہوئی کنڈی اسی طرح ہل رہی تھی، جیسے کہ آپ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، گویا اتنے طویل عرصے میں زمین پر ایک لمحہ بھی نہیں گزرا، اگر خصوصی نظریہ اضافیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس واقعہ کی حقانیت جاننے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اصلاً زمین پر آنحضرت ﷺ کی غیر موجودگی میں کئی برس گزر جانے چاہئیں تھے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

عمومی نظریہ اضافیت سے جواب

نظریہ اضافیت ہی کا دوسرا حصہ یعنی ''عمومی نظریہ اضافیت'' ہمارے سوال کا تسلی بخش جواب دیتا ہے۔ عمومی نظریہ اضافیت میں آئن اسٹائن نے وقت (زمان) اور خلا (مکان) کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے زمان ومکان (Time and Space) کی مخلوط شکل میں پیش کیا ہے اور کائنات کی اسی انداز سے منظر کشی کی ہے۔ کائنات میں تین جہتیں مکانی (Spatial Dimentions) ہیں جنھیں ہم لمبائی، چوڑائی اور اونچائی (یا موٹائی) سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ ایک جہت زمانی ہے جسے ہم وقت کہتے ہیں۔ اس طرح عمومی اضافیت نے کائنات کو زمان ومکان کی ایک چادر (Sheet) کے طور پر پیش کیا ہے۔

تمام کہکشائیں، جھرمٹ، ستارے، سیارے، سیارچے اور شہابیئے وغیرہ کائنات کی اسی زمانی چادر پر منحصر ہیں اور وقت کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں کے تابع ہیں۔ انسان چونکہ اسی کائنات مظاہر کا باشندہ ہے، لہٰذا اس کی کیفیت بھی کچھ مختلف نہیں۔ آئن اسٹائن کے عمومی نظریہ اضافیت کے تحت کائنات کے کسی بھی حصے کو زمان ومکان کی اس چادر میں ایک نقطے کی حیثیت سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس نظریے نے انسان کو احساس دلایا ہے کہ وہ کتنا بے وقعت اور کس قدر محدود ہے۔

کائنات کے بارے میں قابل غور نقطہ

یہاں آ کر ہم ایک نقطہ اٹھائیں گے اور وہ یہ ہے کہ کیا کائنات صرف وہی ہے جو طبعی طور پر قابلِ مشاہدہ ہے؟ ایسی دیگر کائناتیں ممکن نہیں جو ایک دوسرے سے قریب، متوازی اور جداگانہ انداز میں پہلو بہ پہلو وجود رکھتی ہوں؟ اس کا جواب ہے ''ہاں'' لیکن اگر ایسا ممکن ہے تو پھر ہم ایسی دیگر کائناتوں کا مشاہدہ کیوں نہیں کر پاتے؟ اس بات کی وضاحت ذرا سی پیچیدہ اور توجہ طلب ہے۔ اس لیے یہاں ہم ایک اور مثال کا سہارا لیں گے جس سے ہمیں اپنی محدودیت کا صحیح اندازہ ہوگا۔ کارل ساگان (Carl Sagan) جو ایک مشہور امریکی ماہر فلکیات ہے، اپنی کتاب ''کائنات (Cosmos) میں ایک فرضی مخلوق کا تصور پیش کرتا ہے جو صرف دو جہتی (Two Dimensional) ہے، وہ میز کی سطح پر پڑنے والے سائے کی مانند ہیں۔ انھیں صرف دو مکانی جہتیں ہی معلوم ہیں، جن میں وہ خود وجود رکھتے ہیں یعنی لمبائی اور چوڑائی، چونکہ وہ ان ہی دو جہتوں میں محدود ہیں، لہٰذا وہ نہ تو موٹائی یا اونچائی کا ادراک کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے یہاں موٹائی یا اونچائی کا کوئی تصور ہے۔ وہ صرف ایک سطح (Surface) پر ہی رہتے ہیں، ایسی ہی کسی مخلوق سے انسان جیسی سہ جہتی (Three Dimensional) مخلوق کی ملاقات ہو جاتی ہے، راہ ورسم بڑھانے کے لیے سہ جہتی مخلوق، اس دو جہتی کو آواز دے کر پکارتی ہے، اس پر دو جہتی مخلوق ڈر جاتی اور سمجھتی ہے کہ یہ آواز اس کے اپنے اندر سے آئی ہے۔

سہ جہتی مخلوق، دو جہتی سطح میں داخل ہو جاتی ہے تا کہ اپنا دیدار کرا سکے مگر دو جہتی مخلوق کی تمام تر حسیات صرف دو جہتوں تک ہی محدود ہیں، اس لیے وہ سہ جہتی مخلوق کے جسم کا وہی حصہ دیکھ پاتی ہے جو اس سطح پر ہے، وہ مزید خوف زدہ ہو جاتی ہے، اس کا خوف دور کرنے کے لیے سہ جہتی مخلوق، دو جہتی مخلوق کو اونچائی کی سمت اٹھا لیتی ہے اور اپنی دنیا والوں کی نظر میں ''غائب'' ہو جاتا ہے، جب کہ وہ اپنے اصل مقام سے ذرا سا اوپر جاتا ہے۔ سہ جہتی مخلوق اسے اونچائی اور موٹائی والی چیزیں دکھاتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ ایک اور جہت ہے جس کا مشاہدہ ہو اپنی دو جہتی دنیا میں رہتے ہوئے نہیں کر سکتا تھا۔ آخر کار دو جہتی مخلوق کو اس کی دنیا میں چھوڑ کر سہ جہتی مخلوق رخصت ہو جاتی ہے۔ اس انوکھے تجربے کے بارے میں جب یہ دو جہتی مخلوق اپنے دوستوں کو بتاتی ہے اور کہتی ہے کہ اس نے ایک نئی جہت کا سفر کیا ہے جسے اونچائی کہتے ہیں، مگر اپنی دنیا کی محدودیت کے باعث وہ اپنے دوستوں کو یہ سمجھانے سے قاصر ہے کہ اونچائی والی جہت کس طرف ہے۔ اس کے دوست اس سے کہتے ہیں کہ آرام کرو اور ذہن پر دباؤ نہ ڈالو کیوں کہ اس کے خیال میں اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

ہم انسانوں کی کیفیت بھی دو جہتی سطح پر محدود اس مخلوق کی مانند ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری طبعی قفس (Physical prison) چہار جہتی ہے اور اسے ہم وسیع و عریض کائنات کے طور پر جانتے ہیں۔ ہماری طرح کائنات میں روبہ عمل طبعی قوانین بھی ان ہی چہار جہتوں پر چلنے کے پابند ہیں اور ان سے باہر نہیں جا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ بالا کی کائنات کی تفہیم ہمارے لیے ناممکن ہے اور اس جہانِ دیگر کے مظاہر ہمارے مشاہدات سے بالاتر ہیں۔

قابل مشاہدہ کائنات اور عالم بالا

اب ہم واپس آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف۔ عالم دنیا یعنی قابل مشاہدہ کائنات اور عالم بالا یعنی ہمارے مشاہدے وادراک سے ماوَراء کائنات دو الگ زمانی ومکانی چادریں ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے قریب تو ہو سکتی ہیں لیکن بے انتہا قربت کے باوجود ایک کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا دوسری کائنات میں ہونے والے عمل پر نہ اثر پڑے گا اور نہ اسے وہاں محسوس کیا جائے گا۔

حضور اکرم ﷺ زمان ومکان کی کائناتی چادر کے ایک نقطے پر سے دوسری زمانی ومکانی چادر پر پہنچے اور معراج کے مشاہدات کے بعد (خواہ اس کی مدّت کتنی ہی طویل کیوں نہ رہی ہو) آنحضرت ﷺ زمان ومکان کی کائناتی چادر کے بالکل اسی نقطے پر واپس پہنچ گئے جہاں آپ ﷺ معراج سے قبل تھے اور یہی وہی نقطہ تھا جب آنحضرت ﷺ کو دروازے کی کنڈی اسی طرح ہلتی ہوئی ملی جیسی کہ وہ چھوڑ کر گئے تھے۔

گویا معراج کے واقعے میں وقت کی تاخیر کی بجائے زمان ومکان میں سفر والا نظریہ زیادہ صحیح محسوس ہوتا ہے۔

راقم کی ناقص رائے میں واقعہ معراج کی دلیل کے طور پر ''روشنی کی رفتار سے سفر'' کے بجائے مختلف زمان ومکان کے مابین سفر والا تصور زیادہ صحیح اور سائنسی ابہام سے پاک ہے جس کی مدد سے خصوصی نظریہ اضافت کے تحت پیدا ہونے والے سوالات کا تسلی بخش جواب دیا جا سکتا ہے۔

واقعہ معراج پر اعتراضات

واقعہ معراج بعض لوگوں کی سمجھ میں اس لیے نہیں آتا کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک انسان کس طرح کھربوں میلوں کا فاصلہ یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر زمین سے آسمانوں تک اور پھر سدرۃ المنتہیٰ تک چشم زدن میں طے کر کے واپس آ جائے اور بستر بھی گرم ہو اور دروازے کی کنڈی بھی ہل رہی ہو اور وضو کا پانی بھی چل رہا ہو۔

ایسے فضائی سفر میں پہلی رکاوٹ کشش ثقل ہے کہ جس پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی وسائل وذرائع کی ضرورت ہے، کیونکہ زمین کے مدار اور مرکز ثقل سے نکلنے کے لیے کم از کم چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ رفتار کی ضرورت ہے، دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ زمین کے باہر خلا میں ہوا نہیں ہے، جب کہ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، تیسری رکاوٹ ایسے سفر میں اس حصے میں سورج کی جلا دینے والی تپش ہے کہ جس حصے پر سورج کی مستقیماً روشنی پڑ رہی ہے اور اس حصے میں مار ڈالنے والی سردی ہے کہ جس میں سورج کی روشنی نہیں پڑ رہی، اس سفر میں چوتھی رکاوٹ وہ خطرناک شعاعیں ہیں کہ فضائے زمین سے اوپر موجود ہیں، مثلاً کاسمک ریز (Cosmic Rays) الٹرا وائلٹ ریز (Ultra violet Rays) اور ایکس ریز (X-Rays) یہ شعاعیں اگر تھوڑی مقدار میں انسانی بدن پر پڑیں تو بدن کے آرگانزم (Organism) کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں، لیکن فضائے زمین کے باہر یہ شعاعیں بہت تباہ کن ہوتی ہیں۔ (زمین پر رہنے والوں کے لیے زمین کے اوپر موجود فضا کی وجہ سے ان کی تابش ختم ہو جاتی ہے) ایک اور مشکل اس سلسلے میں یہ ہے کہ خلا میں انسان بے وزنی کی کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہے اگرچہ تدریجاً بے وزنی کی عادت پیدا کی جا سکتی ہے لیکن اگر زمین کے باسی بغیر کسی تیاری اور تمہید کے خلا میں جا پہنچیں تو بے وزنی سے نمٹنا بہت ہی مشکل یا ناممکن ہے، آخری مشکل اس سلسلے میں زمانے کی مشکل ہے اور یہ نہایت اہم رکاوٹ ہے کیونکہ دورِ حاضر کے سائنسی علوم کے مطابق روشنی کی رفتار ہر چیز سے زیادہ ہے اور اگر کوئی شخص آسمانوں کی سیر کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ ہو۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ روشنی کی رفتار سے بہت کم رفتار پر زمین پر آنے والے شہابیٔ ہوا کی رگڑ سے جل جاتے ہیں اور فضا ہی میں بھسم ہو جاتے ہیں تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حضور ﷺ اتنا طویل سفر پلک جھپکنے میں طے کر سکے۔

اعتراضات کا جواب:

مندرجہ بالا اعتراضات کی وجہ سے ہی ان کے دماغوں میں یہ شک پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ معراج خواب میں ہوئی اور یہ کہ حضور ﷺ غنودگی کی حالت میں تھے اور پھر آنکھ لگ گئی اور یہ تمام واقعات عالم رؤیا میں آپ ﷺ نے دیکھے یا روحانی سفر درپیش تھا۔ جسم کے ساتھ اتنے زیادہ فاصلوں کو لمحوں میں طے کرنا ان کی سمجھ سے باہر ہے۔ اسراء کے معنی خواب کے نہیں جسمانی طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ فضائی سفر کی تمام تر مشکلات کے باوجود آخر کار انسان علم کی قوت سے اس پر دسترس حاصل کر چکا ہے اور سوائے زمانے کی مشکل کے باقی تمام مشکلات حل ہو چکی ہیں اور زمانے والی مشکل بھی بہت دور کے سفر سے مربوط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسئلہ معراج عمومی اور معمولی پہلو نہیں رکھتا، بلکہ یہ اللہ کی لامتناہی قدرت وطاقت کے ذریعے ممکن ہوا اور انبیاء کے تمام معجزات اسی قسم کے تھے جب انسان یہ طاقت رکھتا ہے کہ سائنسی ترقی کی بنیاد پر ایسی چیزیں بنالے کہ جو زمینی مرکز ثقل سے باہر نکل سکتی ہیں، ایسی چیزیں تیار کر لے کے فضائے زمین سے باہر کی ہولناک شعاعیں ان پر اثر نہ کر سکیں اور مشق کے ذریعے بے وزنی کی کیفیت میں رہنے کی عادت پیدا کر لے، یعنی جب انسان اپنی محدود قوت کے ذریعے یہ کام کر سکتا ہے تو پھر اللہ اپنی لامحدود طاقت کے ذریعے یہ کام نہیں کر سکتا؟

مزید بحث میں پڑنے سے پہلے چند ضروری باتیں واضح کر دی جائیں تو مسئلے کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ آئن اسٹائن کے مطابق مادی شے کے سفر کرنے کی آخری حد روشنی کی رفتار ہے جو 186000 (ایک لاکھ چھیاسی ہزار) میل فی سیکنڈ ہے دوسری رفتار قرآنِ مجید نے امر کی بتائی ہے جو پلک جھپکنے میں پوری کائنات سے گزر جاتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (سورة القمر: ۵۰)

”اور ہمارا حکم ایسا ہے جیسے ایک پلک جھپک جانا“

سائنسدان جانتے ہیں کہ ایٹم کے بھی 100 چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں (Sub Alomic Particles) ان میں سے ایک نیوٹرینو (Neutrino) ہے جو تمام کائنات کے مادے میں سے بغیر ٹکرائے گزر جاتا ہے، مادہ اس کے لیے مزاحمت پیدا نہیں کرتا اور نہ ہی وہ کسی مادی شے سے رگڑ کھاتا ہے، وہ بہت چھوٹا ذرہ ہے اور نہ ہی وہ رگڑ سے جلتا ہے، کیونکہ رگڑ تو مادے کی اس صورت میں پیدا ہوگی جب کہ وہ کم از کم ایٹم کی کمیت کا ہوگا (یاد رہے کہ ابھی حال ہی میں سرن لیبارٹری میں تحقیق کرنے والے سائنس دانوں نے 23 ستمبر 2011ء کو یہ اعلان کیا ہے کہ تجربات سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ نیوٹرینو کی رفتار روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ ہے)

ایک اور بات یہ ہے کہ ایٹم (Atom) کے مرکز کے گرد الیکٹرون چکر لگا رہے ہوتے ہیں، ان دونوں کے درمیان مادہ نہیں ہوتا، بلکہ وہاں بھی خلا موجود ہوتا ہے، ایک اور ذرے کے بارے میں تحقیق ہو رہی ہے جس کا نام (Tachyon) ہے اس کا کوئی وجود ابھی تک ثابت نہیں ہوسکا، لیکن تھیوری (Theory) میں اس کا ہونا ثابت ہے، یہ ہیں مادے کی مختلف اشکال اور ان کی رفتاریں۔

جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا۔ براق، برق سے نکلا ہے، جس کے معنی بجلی ہیں، جس کی رفتار 186000 میل کی سیکنڈ ہے، اگر کوئی آدمی وقت کے گھوڑے پر سوار ہو جائے تو وقت اس کے لیے ٹھہر جاتا ہے، یعنی اگر آپ 186000 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلیں تو وقت رک جاتا ہے کیونکہ وقت کی رفتار بھی یہی ہے، وقت گزر جائے گا، کیونکہ وقت اور فاصلہ مادے کی چوتھی جہت ہے اس لیے جو شخص اس چوتھی جہت پر قابو پا لیتا ہے کائنات اس کے لیے ایک نقطہ بن جاتی ہے، وقت رک جاتا ہے، کیونکہ جس رفتار سے وقت چل رہا ہے وہ آدمی بھی اسی رفتار سے چل رہا ہے، حالانکہ وہ آدمی اپنے آپ کو چلتا ہوا محسوس کرے گا، لیکن کائنات اس کے لیے وہیں تھم جاتی ہے جب اس نے وقت اور فاصلے کو اپنے قابو میں کر لیا ہو، اس کے لیے چاہے سینکڑوں برس اس حالت میں گزر جائیں لیکن وقت رکا رہے گا اور جوں ہی وہ وقت کے گھوڑے سے اترے گا وقت کی گھڑی پھر سے ٹک ٹک شروع کر دے گی، وہ آدمی چاہے پوری کائنات کی سیر کر کے آجائے، بستر گرم ہوگا، کنڈی ہل رہی ہوگی اور پانی چل رہا ہوگا۔

بجلی کا ایک بلب ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کے فاصلے پر رکھ دیں۔ سوئچ دبائیں تو ایک سیکنڈ میں وہ بلب جلنے لگے گا، یہ برقی رو کی تیز رفتاری ہے اور پھر ہوا کی تیز رفتاری بھی اس کی ایک مثال ہوسکتی ہے، اب معراج شریف میں چاہے ہزار برس صرف ہو گئے ہوں یا ایک لاکھ برس ہو گئے ہوں، وقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ورنہ یہ شبہ اور اشکال پیش آسکتا ہے کہ اتنی طویل و عظیم مسافت ایک رات میں کیسے طے ہو گئی،

اللہ جل جلالہ کی قدرتیں لا انتہا ہیں، وہ ہر بات پر قادر ہے کہ رات کو جب تک چاہے روکے رکھے، اگر وہ روکے تو کوئی اس کی ذاتِ پاک کے سوا نہیں جو دن نکال سکے۔

قرآنِ پاک میں فرمایا:

قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَاءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ○ قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ(قصص: ۷۱-۷۲)

”آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ ہمیشہ قیامت کے دن تک رات کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھارے پاس کوئی روشنی لے آئے؟ تو کیا تم نہیں سنتے۔ آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک دن کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھارے پاس کوئی رات لے آئے جس میں تم آرام کرو؟ تو کیا تم نہیں دیکھتے“۔

تو حق تعالیٰ کو پوری قدرت ہے اگر چاہے تو وہ وقت کو روک سکتا ہے، پھر جب انسانی صنعت سے خلائی جہاز، چاند، زہرہ اور مریخ تک پہنچ سکتے ہیں تو خدائی طاقت اور لا متناہی قدرت رکھنے والے کے حکم سے کیا اس کے رسول ﷺ شب معراج میں آسمانوں کو طے کر کے سدرۃ المنتہیٰ تک نہیں پہنچ سکتے؟ ہے کوئی سوچنے والا؟ پھر ایک اور طریقے سے غور کریں کہ جو سواری بُراق آپ کے لیے بھیجی گئی تھی، اس کی تیز رفتاری کا کیا عالم تھا۔ روایت میں تصریح کے ساتھ درج ہے کہ اس کا ایک قدم حد نظر تک پڑتا تھا جو روشنی کی رفتار سے ہزار ہا درجہ زیادہ ہے۔ ہماری نظروں کی حد نیلگوں خیمہ ہے جو آسمان کے نام سے موسوم ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ بُراق کا پہلا قدم پہلے آسمان پر پڑا اور چونکہ آسمان از روئے قرآن پاک سات ہیں، اس لیے سات قدم میں ساتوں آسمان طے ہو گئے، پھر اس سے آگے کی مسافت بھی چند قدم کی تھی۔

حاصل کلام یہ کہ کل سفر رات کے بارہ گھنٹوں میں سے صرف چند منٹ میں طے ہو گیا اور اسی طرح واپسی بھی، تو اب بتائیے کہ اس سرعت سیر کے ساتھ ایک ہی رات میں آمد و رفت ممکن ٹھہری یا غیر ممکن؟ اب فرمایا جائے کہ کیا اشکال باقی رہا؟

علاوہ ازیں ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک گھر میں بیک وقت بلب جل رہے ہیں، پنکھے (سیلنگ فین) سے ہوا آ رہی ہے، ریڈیو سنا جا رہا ہے، ٹیلی ویژن دیکھا جا رہا ہے، ٹیلی فون پر گفتگو ہو رہی

ہے، فریج میں کھانے کی چیزیں محفوظ کی جا رہی ہیں، ایئر کنڈیشنڈ سے کمرہ ٹھنڈا ہو رہا ہے، ٹیپ ریکارڈ پر ریکارڈنگ ہو رہی ہے، گرائنڈر میں مسالے پس رہے ہیں، استری سے کپڑوں کی شکنیں دور ہو رہی ہیں، سی ڈی پلیئرز پر فلمیں دیکھیں جا رہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کسی نے بڑھ کر مین سوئچ آف کر دیا، پھر کیا تھا لمحوں میں ہر چیز نے کام کرنا بند کر دیا۔ معلوم ہوا یہ تمام کرنٹ کی کارفرمائی تھی۔ یہی حال کارخانوں کا ہے، کپڑا بُنا جا رہا ہے، جیسے ہی بجلی غائب ہوئی تانے بانے بننے والی کلیں رُک گئیں، جونہی کرنٹ آیا ہر چیز پھر سے کام کرنے لگی۔ آج کا انسان ان روزمرہ کے مشاہدات کے پیشِ نظر واقعہ معراج کی روایات کی صداقت کا ادراک کر سکتا ہے۔ روایتیں ملتی ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ جب سفر معراج سے واپس تشریف لائے تو بستر کی گرمی اسی طرح باقی تھی، وضو کا پانی ہنوز بہہ رہا تھا، کنڈی ابھی ہل رہی تھی، چودہ سو سال پہلے اس پر یقین لانا ناممکنات میں سے تھا لیکن آج یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کرنٹ کے کرشمے نے ثابت کر دیا کہ لمحوں میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح معراج کی شب نظامِ زمان و مکان معطل ہو گیا تھا، وقت رک گیا تھا، کیا یہ خالق کائنات، نظام زمان و مکان کے بنانے والے کے لیے کچھ مشکل تھا؟ جب سرورِ کائنات سرکارِ دوعالم ﷺ سفر معراج سے واپس ہوئے تو معطل نظام پھر سے روبہ عمل ہو گیا۔

بستر کی گرمی جہاں بند ہوئی تھی پھر سے محسوس ہونے لگی، پانی بہنا جس مقام پر رُک گیا تھا وہاں سے جاری ہو گیا، کنڈی جس زاویے پر ہلنے سے تھم گئی تھی اس سے حرکت میں آ گئی، جیسے کرنٹ کے آف ہوتے ہی تمام کام رُک گئے تھے اور آن ہوتے ہی حرکت میں آ گئے۔

جسم و روح کے ساتھ معراج کا حاصل ہونا آنحضرت ﷺ کا خصوصی شرف ہے، یہ مرتبہ کسی اور نبی اور رسول کو حاصل نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے نبی و رسول ﷺ کی عظمت و برگزیدگی کو ظاہر کرنے کے لیے یہ خارق عادت قدرت ظاہر فرمائی۔ یہ مسئلہ خالص یقین و اعتقاد کا ہے، بس اس پر ایمان لانا اور اس کی حقیقت و کیفیت کو علمِ الٰہی کے سپرد کر دینا ہی عین عبادت ہے اور ویسے بھی نبوت، وحی اور معجزوں کے تمام معاملات احاطہ عقل و قیاس سے باہر کی چیزیں ہیں جو شخص ان چیزوں کو قیاس کے تابع اور اپنی عقل و فہم پر موقوف رکھے اور کہے کہ یہ چیز جب عقل میں نہ آئے میں اس کو نہیں مانوں گا، تو سمجھنا چاہیے کہ وہ شخص ایمان کے اپنے حصہ سے محروم رہا۔ اللہ رب العزت ہمیں قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

جناب عبدالکریم شاہ (درابن کلاں)

کیا امریکہ بکھر جائے گا؟

پندرہویں صدی میں کولمبس نے جب امریکہ دریافت کیا تو اسے اندازہ نہ تھا کہ آنے والے وقتوں میں ریڈانڈینز کی یہ سرزمین دنیا کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے گی اللہ نے اس سرزمین کو نہ صرف خوبصورت میدانوں' پہاڑوں' وادیوں' دریا اور جنگلات کا تحفہ دیا بلکہ معدنیات کی دولت سے بھی مالا مال کیا یورپ سے بہتر مستقبل کی خاطر ہجرت کرکے آنے والے لوگوں نے اس ملک کو خوب بنایا سنوارا۔ یورپ سے امریکہ ہجرت کرتے وقت وہ اپنے ساتھ تعلیم وتربیت وثقافت اور اچھی روایات کیساتھ ساتھ لالچ اور ظلم بھی امریکہ لے گئے۔ اسلئے آج کے امریکہ میں قانون کی عملداری' حقوق البشر کیساتھ ساتھ لالچ اور ظلم بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ قتل امریکیوں نے کئے تین لاکھ جاپانیوں کو یک مشت ایٹمی دھماکوں سے قتل کرنے والے بھی امریکی ہی تھے افریقہ سے کالوں کو اغواء کرکے غلام بنایا اور ان سے جبری مشقت لی اور تقریباً ڈھائی سو سال بعد انکی غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں لالچی اتنے کہ پیسے کے حصول کے لئے ہر حربہ استعمال کیا یہاں تک کہ ایک نوجوان لڑکی چند ڈالروں کے لئے اپنے آپ کو فخریہ بیچ دیتی ہے اگر میں یہ کہوں کہ ظلم اور لالچ امریکیوں کی فطرت بن گئی ہے تو یہ غلط نہ ہوگا انکی یہی فطرت حکومتی پالیسیوں میں بھی جھلکتی ہے۔

اپنے ملک کو انہوں نے نہایت ایمانداری سے ترقی دی لیکن اس ترقی کے دو منفی اثرات بھی تھے ایک انہوں نے اپنے ملک کے معدنی وسائل کا بے دردی سے استعمال کیا یہاں تک کہ ان کے اپنے خزانے خالی ہو گئے۔ دوئم دھن دولت کی کثرت نے انہیں عیش و آرام کا عادی کردیا عیش وعشرت کی زندگی برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ یا تو آسمان سے معدنیات بشمول' تیل مثل من وسلویٰ امریکہ پر گرنا شروع ہو جائے یا پھر دوسرے ممالک سے منگوایا جائے۔ دوسرے ممالک سے لینے کی بھی دو صورتیں ہیں پیسہ دے کر لیا جائے یا چھین لیا جائے چونکہ ظلم و جبر امریکیوں کی نفسیات میں ہے اسلئے ساری دنیا میں امریکہ کیلئے نفرت کی سطح بھی بہت اونچی ہے مسلمان تو خاص کر امریکہ سے نفرت کرتے ہیں اور ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ رب نے